ملک کی آزادی کا صحیح مطلب اور فائدہ

ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

تحریک "پیامِ انسانیت" لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

باراول

۱۴۱۳ھ — ۱۹۹۳ء

کتابت ـــــــــــــ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت ـــــــــــــ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)

صفحات ـــــــــــــ ۱۶

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

انچارج مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

طابع و ناشر

مرکزی دفتر "تحریک پیام انسانیت"

پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء ـ لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ وتعارف

۸ رفروری ۱۹۹۳ء کو شہر رائے بریلی میں گورنمنٹ کالج کے وسیع میدان میں ملک کی موجودہ صورتِ حال کا جائزہ لینے اور ان خطرات کو محسوس کرنے اور ان کا سدِّ باب کرنے کے لئے جو ملک کو درپیش ہیں، فرقہ وارانہ اتحاد، ملک میں امن وامان، تحفظ کا احساس اور باہمی اعتماد واحترام کی فضا پیدا کرنے کے لئے شہر اور ضلع رائے بریلی کے متعدد ہندو، مسلم، سکھ خیر پسندوں اور انسانیت دوستوں نے ایک بڑے جلسہ کے انعقاد کا انتظام کیا، جس میں سامعین وشرکاء کی تعداد کا اندازہ جو مختلف فرقوں، مسلکوں، پیشوں اور ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے، دس اور پندرہ ہزار کے درمیان کیا جاتا ہے، متعدد ہندو مسلم، سکھ مقررین نے اظہارِ خیال کیا، اور ملک کی موجودہ صورتِ حال پر اظہارِ افسوس وفکر وتردّد، سامعین اول سے آخر تک ہمہ تن گوش رہے، راقم کا احساس تھا کہ اس نے اپنے شہر میں

www.abulhasanalinadwi.org

اس سے بڑا جلسہ نہیں دیکھا۔[1]

اس جلسہ میں صدارت کا فرض بھی یہ راقم ہی ادا کر رہا تھا، اپنی تقریر میں رائے بریلی کی تاریخ اور اس کی نسبت کی مناسبت سے یہ عرض کیا کہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں رائے بریلی کا بنیادی اور اوّلین حصّہ ہے، اس لئے کہ یہاں کے قابلِ فخر فرزند اور روحانی قائد حضرت سیّد احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء — ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) نے سب سے پہلے یہاں کے والیانِ ریاست، اہلِ مقدرت اور حسّاس و غیرت مند شہریوں کو انگریزی اقتدار کے خطرے کے خلاف (جو اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں موجود تھا) متوجّہ کیا اور غیرت دلائی اور اس کے خلاف عملی اقدام کیا، اور جیسا کہ سر ولیم ہنٹر نے لکھا ہے کہ "۱۸۵۷ء کے غدر میں سید صاحب کی تحریکِ جہاد کی بچی کھچی چنگاریاں کام کر رہی تھیں"۔

اس تمہید و تعارف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مقرر نے اس حقیقت پر مفصّل و پُرزور طریقہ پر روشنی ڈالی کہ کسی ملک کا جزوی اور محدود طریقہ پر آزاد ہونا اور اس آزادی سے صرف اکثریت یا کسی فرقہ کا فائدہ اٹھانا، اور دوسری اقلیتوں اور فرقوں کا (جن میں سے بعض کا ملک کی آزادی میں قائدانہ و سرفروشانہ

---

[1] بعض دوستوں نے بتایا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا جلسہ اس سے بھی بڑا تھا جو ۹ فروری ۱۹۸۶ء کو منعقد ہوا تھا۔ اور جس میں ("قومی آواز" کی رپورٹ کے مطابق) ریاست کے مختلف اضلاع کے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے شرکت کی تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

حصہ رہا ہے) اس آزادی کے نتائج سے فائدہ نہ اٹھا سکنا اور اپنے دین، مذہب، تہذیب و ثقافت، زبان و رسم الخط اور عائلی قانون (PERSONAL LAW) میں دشواریوں یا ثقافتی نسل کشی (CULTURAL GENOCIDE) کا سامنا کرنا، ملک کی آزادی کے مفہوم و معنی و مطلب کے خلاف ہے، اور اس پر فخر و اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

راقم نے اسی حصہ کو خاص موضوع بنا کر زیر نظر مقالہ میں تفصیل سے اس سے بحث کی ہے، اور اس پر روشنی ڈالی ہے، اس لئے کہ تقریر کے دوسرے حصے صاحب مضمون کی دوسری تقریروں میں (جو "پیام انسانیت" کے پلیٹ فارم سے کی گئیں، اور ان میں سے بہت سی طبع و شائع ہو چکی ہیں) تفصیل و وضاحت سے آ چکے ہیں، اس لئے ان کے پیش نظر مقالہ میں دُہرانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، امید ہے کہ یہ مقالہ توجہ سے پڑھا جائے گا، اور ملک کو اس الزام اور عیب سے پاک اور بری کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ وہ عمومی، معنوی اور حقیقی، کُلّی و اجتماعی طریقہ پر آزاد نہیں ہوا ہے، آزاد ہونے کے بعد ملک کی کچھ جماعتوں، فرقوں اور مکاتبِ خیال (SCHOOLS OF THOUGHT) نے اس آزادی کا فرقہ وارانہ استحصال (EXPLOITATION) شروع کر دیا ہے، اور ملک کے دوسرے فرقوں کے اندر بے اطمینانی، اپنے مستقبل کی طرف سے خوف و ہراس، اور ایک اندرونی غلامی کی موجودگی کا احساس پیدا کر دیا ہے، جو کسی آزاد، خوددار، انصاف پسند

www.abulhasanalinadwi.org

ملک کے شایانِ شان نہیں، خدا کرے اس مقالہ کو ملک کے مختلف فرقوں اور مکاتبِ خیال کے لوگ توجہ اور سنجیدگی سے پڑھیں، اور اس صورتِ حال کی اصلاح اور اس خوف وشبہات کو دور کرنے کی سنجیدہ ومنظم کوشش کریں۔

ابوالحسن علی ندوی

۱۹ر شعبان ۱۴۱۳ھ

۱۲ر فروری ۱۹۹۳ء

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔

بھائیو اور دوستو! ہمارے چھوٹے وطن رائے بریلی اور بڑے وطن ہندوستان کے رہنے والو! میں بے تکلف کہتا ہوں کہ مجھے فخر ہے کہ وقت کی اہم ضرورت اور وقت کے تقاضہ پر ہمارے شہر رائے بریلی میں ایک آواز پر اتنا بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا، میرے لئے بڑے فخر کی بات ہے، یہ رائے بریلی کی تاریخ کے لحاظ سے بھی (جس کا میں ایک طالب علم بھی ہوں اور مصنف بھی) رائے بریلی کے شایانِ شان ہے، اس رائے بریلی کا نام آپ تاجکستان وترکستان اور ترکی میں جا کر لیں، افغانستان میں جا کر لیں، بہت سے عرب ممالک میں جا کر لیں، یورپ اور امریکہ کے ان حلقوں میں لیں جو اصلاحی تحریکوں اور ملکوں کی آزادی کی کوششوں کی تاریخ اور تحریکات سے واقف ہیں، اور اس موضوع پر لکھتے پڑھتے ہیں تو وہ رائے بریلی کے نام سے واقف نکلیں گے اور احترام و توجہ کے ساتھ پیش آئیں گے۔

یہ کیوں؟ یہ شہر ہندوستان کا کوئی بہت بڑا شہر نہیں ہے، اور یہاں آثارِ قدیمہ اور قابلِ دید مقامات بھی نہیں ہیں، یہ بات صرف اس وجہ سے ہے کہ یہاں بعض بڑی باعظمت شخصیتیں پیدا ہوئیں، اور یہ بعض ایسی شخصیتوں کا وطن اور جائے پیدائش ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

جنھوں نے ہندوستان کو آزاد کرانے کی سب سے پہلے اور سب سے بڑی کوشش کا آغاز کیا، میری مراد حضرت سید احمد شہیدؒ سے ہے، جو یہیں (اس مقام سے کچھ فاصلہ پر) پیدا ہوئے، اور انھوں نے انگریزی حکومت کے خلاف جدّوجہد شروع کی اور ایک ایسی جماعت تیار کی جو اپنے اخلاق و سیرت، خدا ترسی و انسان دوستی، عالی ہمتی و بلند نگاہی، جاں سپاری و سرفروشی میں دور دور تک اور دیر دیر تک بھی اپنی نظیر نہیں رکھتی، اس کام کے لئے انھوں نے ہندوستان کے والیانِ ریاست اور اہلِ اثر و اقتدار کو بھی آواز دی، ان کی انسانی غیرت، وطن دوستی اور خطرہ کے احساس کو بیدار کرنے کی کوشش کی، اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

وہ راجہ ہندوراؤ، وزیر گوالیار کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے[1] دنیا جہان کے تاجدار، اور یہ سوداگر بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے، بڑے بڑے اہلِ حکومت کی حکومت اور ان کی عزّت و حرمت کو انھوں نے خاک میں ملا دیا ہے، جو حکومت و ریاست کے مرد میدان تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، اس لئے مجبوراً چند غریب اور بے سروسامان

---

[1] انگریز مراد ہیں، جنھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں ہندوستان پر اپنا اقتدار جمانا شروع کر دیا تھا، اور اس کی سیاست میں دخیل ہو گئے تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہوگئے۔"[1]

ریاست گوالیار کے ایک معتمد اور اعلیٰ عہدے دار غلام حیدر خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"ملکِ ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے، اور انھوں نے ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھی ہے، ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہوگئی، کسی کو ان کے مقابلہ کی تاب نہیں، بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے، چونکہ بڑے بڑے اہلِ حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کرکے بیٹھ گئے ہیں، اس لئے چند کمزور اور بے حقیقت اشخاص نے اس کا بیڑہ اٹھایا ہے۔"[2]

۱۸۵۷ء میں انگریزی اقتدار کے خلاف، اور پورے ہندوستان کے انگریزی حکومت کی غلامی میں آجانے کے اندیشہ کے پیش نظر جس جنگ آزادی کا آغاز ہوا، اور جس میں اس ملک کے باشندے عمومی طور پر شریک ہوئے اور جس کو انگریزوں اور ان کی نقالی کرنے والوں نے غدر (MUTINY) کا نام دیا ہے، جو ابھی تک چلا آرہا ہے، اس کے بارے میں مشہور انگریز مصنف سر ولیم ہنٹر (SIR WILLIAM HUNTER) نے صاف طور پر لکھا ہے کہ:-

"۱۸۵۷ء کے غدر میں سید صاحب کی تحریک جہاد کی بچی کھچی چنگاریاں کام کر رہی تھیں۔"[3]

---

[1] ماخوذ از مجموعۂ خطوط حضرت سید احمد شہیدؒ بزبان فارسی (سیرت سید احمد شہیدؒ حصہ اول تصنیف خاکسار راقم) میں ص۴۰۲ پر دیکھا جاسکتا ہے)

[2] ایضاً ص۴۰۲ [3] THE INDIAN MUSALMANS

www.abulhasanalinadwi.org

ہندوستان کی جنگ آزادی کی کامیابی کا جو شہرہ ہوا اور دنیا میں اس جدّوجہد اور اس کے مخلص اور صاحب بصیرت رہنماؤں کو جو عزّت ملی، ان کے کارنامہ کا جس طرح اعتراف کیا گیا، اور معاصر دنیا اور محکوم ملکوں کے لئے وہ جس طرح ایک شاندار نظیر اور ہمت افزا کارنامہ بن گیا، اس نے جس طرح ہندو مسلم اتحاد کا، ترک موالات (NON-COOPERATION) جیلوں کے بھر دینے اور قربانیوں کے نمونے پیش کرنے کا منظر دنیا کے سامنے پیش کیا، اس نے ہندوستان کا نام روشن کیا اور دنیا کے کئی ملکوں نے جو آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے، اس کو اپنے لئے نمونہ اور قابل تقلید مثال سمجھا، آج بھی بہت سے ایشیائی و مشرقی ملکوں میں ہندوستان کا نام بڑی عزّت سے لیا جاتا ہے، اور جنگ آزادی کے سورماؤں (FREEDOM FIGHTER) کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

ملک کی آزادی کی اس نعمت اور کارنامہ کا حق یہ تھا کہ ہم ہر قیمت پر اور ہر طرح کی قربانی دے کر اس کی حفاظت کریں، اور اس کی آبرو اور عزّت قائم رکھیں، اس پر ہر دور میں اور ہر جگہ فخر اور تشکر کے جذبات کا اظہار کیا جائے، غلامی کے دور کے تصوّر سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، اور ہمارے اندر کراہت و حقارت، نفرت اور "گھن" کا ایک جذبہ پیدا ہو، اور ہم کسی حال میں اس دور کے واپس آنے کا تصوّر اور اس کو ترجیح دینے کا تخیّل بھی گوارہ نہ کر سکیں۔

لیکن میں اب دل پر پتھر رکھ کر اور اپنے ضمیر (CONSCIENCE) اور سامعین سے معذرت کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ آج ہمارے ملک کی جو حالت ہو رہی ہے اور خاص طور پر (۶ دسمبر کے بعد سے)

www.abulhasanalinadwi.org

ہندوستان کے کئی بڑے بڑے شہروں میں اپنے ہم وطنوں اور ملکی بھائیوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا جس سفاکی اور بے دردی کے ساتھ ہزاروں آدمیوں کا خون بہایا گیا، گھر اور دکانیں لوٹی گئیں اور جلائی گئیں، عورتوں کی بے عزتی کی گئی، بچوں کو مٹی کے برتنوں کی طرح توڑا اور خاک میں ملایا گیا، کروروں اور اربوں کا سرمایہ لوٹا گیا اور ضائع کیا گیا، میدانِ جنگ کی طرح خوف وہراس کی فضا، باغ وبہار شہروں اور تماشا گاہ بستیوں پر ہفتوں طاری رہی، اس نے ملک کو ایک ایسی منزل پر کھڑا کر دیا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد غلامی کے دور کو یاد کرنے لگی، اور اس زمانہ کو نہ صرف ترجیح دینے لگی بلکہ اس کی آرزو کرنے لگی، جب ملک میں ہر طرف امن وامان کا دور دورہ تھا، عزتیں اور عصمتیں محفوظ تھیں، بچوں پر کوئی بُری نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا، ساری خرابیوں اور بدکرداریوں کے ساتھ اور اس حقیقت کے ساتھ کہ سات سمندر پار کے رہنے والے انگریزوں کو اس ملک پر حکومت کرنے کا ہرگز حق نہ تھا، اور وہ ایک بدیسی راج تھا، جو یہاں سے دولت حاصل کر کے اپنے ملک کو منتقل کرتا تھا، عام شہریوں کو اس کا اطمینان تھا کہ وہ محفوظ ہیں، پولیس اور فوج ڈرنے کی چیز نہیں تھی، وہ کرایہ کے ٹٹو تھے اور بدیسی حکومت کے غلام لیکن ان میں اپنے ہم مذہبوں اور اپنی ذات برادری کی حمایت وترجیح کا جذبہ نہیں تھا، وہ امنِ عامہ اور تحفظ کا اپنے کو ذمہ دار سمجھتے تھے، اس سے زیادہ اس دور اور اس دور کے حاکموں کی تعریف اور اعتراف میں کہنا اپنی غیرت وضمیر کو گوارہ نہیں، اور یہ بھی جو کچھ کہا گیا وہ بھی دل پر جبر کر کے کہا گیا۔

اس سے بڑی بات یہ ہے کہ یہاں کی مختلف قومیں اور مذاہب اپنے عقیدے اور

www.abulhasanalinadwi.org

مذہب اور اپنی تہذیب و ثقافت (RELIGION AND CULTURE) کے مطابق زندگی گزارنے اور اس کو اپنی آئندہ نسل تک منتقل کرنے اور اس کے مطابق تعلیم گاہیں، مکاتب و مدارس قائم کرنے، اپنی زبان میں لکھنے پڑھنے میں آزاد تھے، ان پر کوئی علم الاصنام (MYTHOLOGY) مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی تھی، اس وقت انگریزی کی ریڈروں اور نصابِ تعلیم (CURRICULUM) میں جانوروں کے قصے، کتے بلی کی حکایتیں اور تصویریں، یا عالمی تاریخی شخصیتوں (HISTORICAL PERSONALITIES) کے قصے اور ان کا تعارف ہوتا، لیکن عیسائی مذہب (CHRISTIANITY) کے حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں، عقیدۂ تثلیث (TRINITY) یا صلیب (CROSS) کی تصویر و تقدیس کی دعوت نہیں ہوتی تھی، اس لئے جن لوگوں کو مذہب سب سے زیادہ عزیز تھا، ان کو اس معاملہ میں کوئی بڑی تشویش نہ تھی، صرف مغربی تہذیب و معاشرت، مغربی فیشن اور مغربی تخیلات و معیار اور کسی کسی وقت مذہبی آزادی، الحاد اور بے راہ روی کا ڈر رہتا تھا۔[1]

لیکن اب اس سلسلہ میں صورتِ حال مختلف ہے، اور بعض جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں نے اپنے تعلیمی و تربیتی منصوبوں کا صاف اعلان کر دیا ہے اور کہدیا ہے کہ

---

[1] اس کے بارے میں لسان العصر اکبر الٰہ آبادی اور علامہ اقبال کا کلام دیکھنا چاہیئے اور علماء کی ان کوششوں کو جو انھوں نے اس کے اثر کو زائل کرنے میں صرف کیں، اور ان کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اب ایک ہی زبان ہندی رہے گی، نصاب کی کتابوں میں ایک خاص میتھالوجی (دیومالا) ہی داخل کی جائے گی، ایک بدلی ہوئی تاریخ پڑھائی جائے گی، آزاد مدارس و مکاتب کا قیام مشکل ہو جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔

حضرات! اب اس کے بعد دل کو تھام کر اور پوری معذرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے وہ لوگ جن کو اپنا مذہب عزیز ہے اور اپنے خاندانوں اور ہم قوموں کی عزّت و ناموس عزیز ہے، اور پھر اس سے آگے بڑھ کر ملک کا امن و امان اور پُرسکون زندگی عزیز ہے، جس میں وہ دینی، اصلاحی، تعلیمی، تصنیفی، ادبی اور فنّی کام اور مشاغل اطمینان سے انجام دے سکیں، اور اس سے بڑھ کر اپنی عبادت گاہیں، درس گاہیں اور کتب خانے عزیز ہیں، وہ اس زمانہ کو یاد کرنے لگے ہیں، (خواہ وہ کتنا ہی غیر فطری تھا) جب یہ سب چیزیں عام طور پر محفوظ اور خارج از بحث تھیں میں آپ کو یہ بھی سنا دوں کہ میں نے ایک مرتبہ محترمہ اندرا جی سے ان کی وزارتِ عظمیٰ کے زمانہ میں جب ایمرجنسی نافذ تھی، اور بعض جگہ بعض اقلیتوں کے ساتھ بڑی زیادتیاں ہوئی تھیں، کہا کہ اندرا جی! اس سے زیادہ شرم کی کوئی بات نہیں کہ لوگ انگریزوں کے دور کو جو غلامی کا دور تھا یاد کرنے لگے ہیں، مجھے یہ یقین ہے کہ ہمارے جنگ آزادی کے رہنماؤں کو اس کا کسی وقت اندازہ ہوتا یا تصوّر بھی آتا کہ ملک کے آزاد ہونے کے بعد ایک ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ ملک کے ذمہ داروں کی تنگ نظری اور غلط کاری کی بنا پر انگریزوں کی حکومت کا

www.abulhasanalinadwi.org

دور یاد آنے لگے گا اور وہ اس کی تمنّا کرنے لگیں گے، تو آپ یقین مانئے کہ ان کے عزم وہمت اور جوش وخروش میں (جو ملک کو آزاد کرانے کے لئے ظاہر ہو رہا تھا) کمی ہو جاتی، اور ان کے دل اور قوتِ عمل (VIGOUR) کو بڑا دھکا لگتا، اور ان کی تقریروں میں وہ زور اور ان کی جدّوجہد میں وہ جوش وخروش نہ رہتا، اور یہ جنگ آزادی اس آسانی کے ساتھ اور نیک نامی کے ساتھ کامیاب نہ ہوتی، اور اپنی منزل کو نہ پہونچتی، جس پر پہونچی۔

ایک ایسا زمانہ جس میں آدمی اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش نہ ہو، اپنے مدرسوں اور کتابی ذخیروں کو دیکھ کر مطمئن نہ ہو، اپنی محنتوں کے حاصل، اور اپنے جوہر وقابلیت کے نتیجہ سے اس میں افتخار کیا اعتماد کا بھی جذبہ پیدا نہ ہو، انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے مستقبل کی طرف سے مشکوک ومتردّد ہو، اس میں زندگی کا کیا مزا؟ اور ایسے ملک میں کس معنی میں آدمی اپنے کو آزاد شہری، ملک کی زندگی میں دخیل اور اس کی تعمیر وترقی میں شریک اور سرگرم ہو؟ پوری انسانی تاریخ میں انسان کا ضمیر اس بات کو پکار پکار کر کہتا سنائی دیتا ہے کہ غلامی سے بڑھ کر عیب وذلّت اور شرم کی کوئی بات نہیں، خدا نہ کرے کہ ایسی عدالت قائم ہو کہ مجھے گواہ پیش کرنے کی نوبت آئے، لیکن سیکڑوں کو پیش کیا جاسکتا ہے، جو یہ کہتے تو نہیں ہوں گے، لیکن سوچتے ضرور ہوں گے، گھر میں بیٹھ کر باتیں بھی کرتے ہوں گے۔

پھر کسی آزاد ملک میں جس نے ملک کی آبادی کے تمام عناصر (SECTIONS) اور

www.abulhasanalinadwi.org

قوموں اور فرقوں (CASTES AND CREEDS) کے تعاون (COOPERATION) جدّوجہد اور قربانیوں کے ذریعہ آزادی حاصل کی ہو، اس کی قیادت اور رہنمائی میں وہ ملک آزاد ہوا ہو، اس کا کوئی جواز نہیں کہ کوئی ایک فرقہ یا قوم (COMMUNITY) خواہ وہ کیسی کھلی اکثریت اور بڑی تعداد میں ہو، اور کیسا ہی سرمایہ دار اور با وسائل ہو، وہ نہ صرف اپنی تہذیب و ثقافت، اپنے عقائد اور دیومالا کی تعلیم و تبلیغ اور اس کو اپنی نئی نسل کی طرف منتقل کرنے، اور اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنی زبان و رسم الخط کے نہ صرف رواج دینے اور قائم رکھنے میں، بلکہ پورے ملک پر اور نئی نسل پر اس کو جاری اور رائج کرنے میں آزاد ہو، اور دوسرا فرقہ (OTHER COMMUNITY) دوسرا مذہب رکھنے والے (خواہ وہ اپنی تعداد میں کئی ملکوں کے اسی مذہب کے باشندوں سے زیادہ تعداد رکھتے ہوں) اپنے دین و مذہب کے مطابق تعلیم دینے، اپنی زبان و رسم الخط کی ترویج و بقا، اپنی تہذیب و ثقافت (CULTURE AND TRADITIONS) کے تسلسل کی کوشش میں آزاد نہ ہو، روز بروز اس پر نئی نئی پابندیاں عائد کی جائیں، اور رفتہ رفتہ وہ محسوس کرنے لگے کہ وہ چلنے پھرنے، کھانے کمانے میں تو آزاد ہے لیکن لسانی، ثقافتی اور تعلیمی طور پر پابند اور غلام ہے، اہلِ علم و نظر جانتے ہیں کہ صرف رسم الخط (SCRIPT) کی تبدیلی سے ایک ملک کے پورے باشندوں کا اپنے قدیم علمی ورثہ (INTELLECTUAL HERITAGE) اور پوری ثقافت (CULTURE) سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، اور وہ اپنے ماضی سے

www.abulhasanalinadwi.org

منقطع ہوجاتے ہیں، اسی بنا پر ایک فلسفی مؤرخ (ARNOLD TOYNBEE) نے لکھا ہے کہ "اب کسی کتب خانہ، اور علمی ذخیرہ کو نذر آتش کرنے اور برباد کرنے کی ضرورت نہیں، رسم الخط (SCRIPT) کا بدلنا کافی ہے، اس طریقہ سے اس ملک کا اپنے ماضی سے رابطہ بالکل ختم ہوجائے گا"[1]

ہم اس مضمون کو اور اس اظہارِ حقیقت کو کہ وہ آزادی ہی نہیں جس کا سایہ ملک کے ایک حصہ پر پڑے، دوسرا حصہ محروم رہے، ایک فرقے کے حق میں آزادی کی بہار آئے اور اس کا باغ نئے برگ و بار لائے اور دوسری جگہ خزاں کا دور دورہ ہو، اور نئے نئے علمی اور ذہنی، تعلیمی و تربیتی اور مذہبی و اعتقادی طوق و سلاسل اور رکاوٹوں اور پابندیوں کا منظر، اس مضمون کو اس دور کے مشہور و مقبول شاعر حضرت جگرؔ مرادآبادی کی ایک غزل پر ہم اپنے اس مقالہ کو ختم کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں ؎

چمن چمن ہی نہیں جس کے گوشہ گوشہ میں — کہیں بہار نہ آئے، کہیں بہار آئے
یہ میکدہ کی یہ ساقی گری کی ہے توہین — کوئی ہو جام بکف، کوئی شرمسار آئے
خلوص و ہمت اہلِ چمن پہ ہے موقوف — کہ شاخ خشک میں بھی پھر سے برگ و بار آئے

---

[1] A STUDY OF HISTORY P. 518,519.

www.abulhasanalinadwi.org